ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL

Vol.8. No.3.2025

"بستی"ہندو مسلم مشترکہ تہذیب کا بیانیہ

"BASTI": A NARRATIVE OF A SHARED HINDU-MUSLIM CIVILIZATION

Dr. Sadaf Fatima
Assistant Professor Department of Urdu University of Karachi
Dr. Parveen Kallu*
Associate Professor Urdu Department, Government College University Faisalabad
Email: drparveenkallu@gcuf.edu.pk
Saddique
Lecturer Urdu Department University of Swabi

Abstract
Intizar Hussain's "Basti" is a romance of the novelist in which he spent his childhood. Roopnagar, Byaspur, Lahore and Shiraz within Lahore. The novelist has divided this novel into eleven parts. Obviously, the scenes described in each part are different from each other. Despite this difference, there is a logical connection between them. Roopnagar is the paradise .of the novelist
The way time is seen from different angles in "Basti" makes this novel unique. One is the personal past, the other is the collective past and then the personal present. In the last half of the novel, the personal present and the collective past are mixed up. It turns out that the turmoil that the main character of the novel and his surroundings are facing is not new. These apocalypses are those whose roots are spread far back in history. What is tragic is that the turmoil is repetitive, meaning that one has to face it every time. But the personal past, which was full of freedom and various surprises achieved in childhood and boyhood, never returns. As age passes, the very old personal past seems brighter and more beloved, and the personal present seems meaningless, a tangle of events. Intezar Sahib has skillfully captured these conditions in the village. The narrative of a shared Hindu-Muslim civilization in the novel "Basti" is expressed in this paper.
Key Words*: Intizar Hussain, "Basti", Roopnagar, Byaspur, Lahore, Shiraz, tragic, skillfully captured*

انتظار حسین بحیثیت ناول نگار، افسانہ نگار، صحافی، مترجم، سوانح نگار غرض ہر حیثیت میں اپنی ایک منفرد پہچان کی وجہ سے مشہور ہیں۔ اگر ان کی فکشن نگاری کمال کی تھی تو بحیثیت صحافی بھی آخر دم تک اپنا کمال دکھاتے رہے۔ انھوں نے اپنے بے باک طرزِ نگارش سے ہر جگہ اپنی ایک خاص پہچان بنائی ہوئی ہے۔ ان کے افسانوں اور ناولوں میں داستانی عناصر نے ان کے فکشن کو سب سے الگ تھلگ رکھا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ان کا فکشن اصلاحی سے زیادہ سبق آموز ہے۔ زبان و ادب کی تخلیق اور ترجمہ سے لے کر ادارت، صحافت، مذہب و جماعت اور تاریخ سب پر ان کی نظر تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ پاکستان و ہندوستان کے سب سے منفرد لکھاری بن گئے تھے۔ ان کی تحریروں میں قدیم وجدید کا سنگم انھیں سب سب سے اعلیٰ مقام عطا کرتا ہے۔ ان کے ناولوں اور افسانوں میں ناسٹلجیائی عناصر نے ان کی انفرادیت میں اضافہ کیا ہے۔ وہ ایک باشعور، مہذب اور اخلاقی قلم کار کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ ان کے بارے میں

ڈاکٹر صابرہ خاتون لکھتی ہیں:

> "انتظار حسین نے اپنی تحریروں میں انفرادی سوچ کو ظاہر کیا ہے۔ ۱۹۶۰ء کے بعد کے قلم کاروں میں انتظار حسین ایک منفرد فکشن نگار بن کر ابھرے۔ اسی لیے انھیں اردو میں مایہ ناز ادیب کا درجہ حاصل ہے۔ انتظار حسین کی تخلیقی روش اور ان کی حیثیت سے اردو ادب کو ایسے فن پارے حاصل ہو گئے ہیں کہ جن میں بجا طور پر انتظار حسین کی غیر افسانوی تحریر بھی قابلِ تقلید ہو جاتی ہے۔ بعض دفعہ تو علم کا سبب بھی جدت ادا، بیانیہ، علامتی اسلوب، ناسٹلجیائی کیفیت کی عکاسی کے واسطے تشبیہ و استعارے کی نزاکت، تخیل کی بلندی، نئے موضوعات کی بازیافت کی وجہ بن جاتی ہے۔"(۱)

ان کے ناول "بستی" کا تنقیدی تجزیہ مطلوب ہے۔

انتظار حسین کے حوالے سے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ وہ چوں کہ ہجرت کر کے آئے تھے۔ اس لیے وہ کبھی بھی اپنے آبائی گھر اور علاقے کو نہ بھول سکے اور انھوں نے کبھی بھی تقسیم کو دل سے قبول نہیں کیا۔ اس بات کا اظہار ان کے فکشن میں جا بجا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ناولوں کی فضا حد درجہ سنجیدہ ہے۔ اسی وجہ سے ناولوں میں فلسفیانہ خیالات اکثر و بیشتر پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح ان کی ناول نگاری کو علامتوں نے ایک نیا رنگ دیا ہے۔ یہ علامات ان کے بیانیے کا ساتھ نہیں چھوڑتیں۔ یوں ان کی فکشن میں ایک انفرادیت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے حوالے سے ڈاکٹر انور سدید کہتے ہیں:

> "انتظار حسین کی ناول نگاری ان کے اظہار کی ایک اہم جہت ہے۔ انھوں نے کلاسیکی انداز جس میں کہانی ابتدا سے کلائمکس اور پھر نقطہ انجام کی طرف مربوط پر بڑھتی ہے ناول لکھنے کی کوشش نہیں کی۔ عام روش کے برعکس وہ الگ ذائقہ کے ناول نگار ہیں۔ ان کے ناولوں کے پس پردہ ایک واضح سوچ اور مخصوص جہت ہے۔ انھیں عوام کے بجائے خواص کا ایک ایسا ممتاز ناول نگار شمار کیا جانا مناسب ہے جس نے اردو ناول میں تکنیک اور موضوع کے چند عمدہ تجربے کیے اور کامیاب ہوئے۔"(۲)

انتظار حسین کے ناولوں میں "بستی" کو مرکزی حیثیت شامل ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس ناول میں ان کا خاص بیانیہ اپنا رنگ دکھاتا ہے۔ اگرچہ ان کے ناولوں میں "چاند گہن"، "دن اور داستان" اور "آگے سمندر ہے" بھی کافی معروف ہیں مگر جو حیثیت "بستی" کو حاصل ہوئی وہ کسی اور کے حصے میں نہ آ سکی۔

بستی" میں زندگی کی گہما گہمی ملتی ہے۔ اس ناول کے حوالے سے عموماً بحث کی جاتی ہے کہ یہ ایک تھکے ماندے مسافر کی بے سفر ترتیب ہے۔ دوسرا یہ کہ اس ناول کو پورے پاکستان کی تہذیبی شناخت کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ جس طرح ایک بستی میں مختلف عوامل بے ترتیبی کے ساتھ اثر پذیر ہوتے ہیں اسی طرح اس ناول میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اس لیے اس ناول کو زندگی کی کتاب کہا جائے تو غلط نہیں ہو گا اور اس کی یہی بے ترتیبی کا اصل حُسن ہے۔ ناول میں مذکورہ بستیاں روپ نگر، شام نگر، ویاس پور، میرٹھ اور دانپور علامتی انداز میں بستیاں ہیں جس میں انتظار حسین کا فلسفیانہ مزاج نظر آتا ہے۔ اس حوالے سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے:

> "اس ناول میں پیش کردہ قصے عصری حقیقتوں کا ایک ایسا آئینہ ہے جس میں انتظار حسین کے مخصوص عہد کے خصوصاً جنگِ ازادی سے قبل اور بعد کے حالات، تقسیم، ہجرت، ہندوپاک کی جنگیں، پاکستان اور ڈھاکا کے مہاجرین کی آباد کاری اور ان کے مسائل، پاکستان کی خانہ جنگی، سیاسی نعرے، سماجی و معاشرتی مسائل، جنگ اور جنگ کے دوران ہونے والی خوف و دہشت اور

نفسانفسی کا عالم، دیواروں پر لگی اشتہاریں اور تصویریں، سائرن بجنے کی آواز پر لوگوں کی بھاگم بھاگ، کرفیو اور بلیک آؤٹ کے نتیجے میں ہونے والی تاریک راتوں کے سناٹے، سڑکوں، گلیوں، چوک چوراہوں کی دھندلی تصاویر دیکھنے کو ملتی ہیں۔"(۳)

اسی طرح کا تبصرہ عطاء الحق قاسمی کا بھی ہے:

"۔۔۔گزشتہ تین دہائیوں میں مسلسل بے چینی، اضطراب، بے ہنگم آوازیں، روپ نگر کی حویلی کی چابیاں، روپ نگر ہی میں رہ جانے والی صابرہ، سقوطِ مشرقی پاکستان، دفن شدہ لاشیں، کرفیو، بلیک آؤٹ، مگر ان کے بیچوں بیچ خواجہ صاحب، افضال اور سقوط مشرقی پاکستان پر پھوٹ پھوٹ کر رونے والے سفید بالوں والا ایک شخص، پرانے شہروں کو یاد کرنے والے اور نئی بستی سے محبت کرنے والے، اس کے سر سے بلائیں ٹلنے کی دعائیں کرنے والے اوراس کے لیے بشارتیں سنانے والے کردار، پاکستان کی شکست پر قہقہے لگانے والے انقلابی، عوامی انقلاب کی باتیں کرتے کرتے سی۔ ایس۔ پی بننے والے انقلابی، ہر ایک کو غدار کہنے والے غداروں کی صفوں میں شامل ہونے والے پاکستان کے نام، اور ہندوستان سے ایک محبت بھرا خط اور پاکستان کی فضاؤں پر بمباری کرنے والے ہندوستانی طیارے! یہ سب کچھ بستی میں موجود ہے اور انتظار حسین کی شخصیت کی طرح دھیمے لہجے اور کہیں کہیں کھلے لہجے کے ساتھ اس ناول میں کے اوراق میں سامنے آیا ہے۔"(۴)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ناول پاکستانی معاشرہ کی کھلی تصویر پیش کرتا ہے جس میں ہر قسم کے کردار اپنا رنگ دکھاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ناول کا مرکزی کردار بھی ایسا ہی ہے جو گردوپیش کے حالات سے متاثر ہو کر ڈائری لکھنا شروع کر دیتا ہے۔ اس حوالے سے مظفر علی سید لکھتے ہیں:

"۔۔۔دیواری اشتہارات، سیاسی نعرے، فتح کے شادیانے، خوف اور نفسانفسی، وہ سب کو ہماری شکست کے پس منظر میں جلی انداز میں واضح کرتا ہے۔ جنگ کے دوران ذاکر اس خیال سے ڈائری لکھنے شروع کرتا ہے کہ جنگ کے بعد بشرط زندگی یہ جان سکے کہ جنگ کے دنوں میں کتنا جھوٹ کہا اور سنا اور جنگ کی راتوں میں کتنا خوف کھایا۔ جنگ کے دوران شہری زندگی کی تصویریں جو ناول میں مرتسم ہوئی ہیں ذاکر ہی کے جھوٹ اور بزدلی کا ریکارڈ نہیں اجتماعی جھوٹ اور بزدلی کو بھی بے نقاب کرتی ہیں۔"(۵)

اس ناول میں داستانی انداز سے کہے ہوئے قصے بھی ہیں اور افسانہ کی طرح مختصر قصے سنانے والے صاحبان بھی۔ اس طرح وطن عزیز کی طرح اس میں ہر طبقہ کے صاحبان سے ہماری ملاقات ضرور ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اس ناول میں ہندوستان کی مشترکہ تہذیبی زندگی کی روح نظر آتی ہے۔ ہندو مسلم مشترکہ تہذیب کے اجزائے ترکیبی کا خمیر اسی مٹی سے تو بنا ہے۔ اسی حوالے سے انور پاشا لکھتے ہیں:

"پاکستانی ناول نگاروں کے یہاں بھی ماضی کی مشترکہ تہذیب و ثقافت سے ایک جذباتی وابستگی کا احساس موجود ہے اور رسم و رواج کی تصویر کشی ان کے ناولوں میں بھی امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔ پاکستان ناولوں میں اس رجحان کے سب سے بڑے علم بردار انتظار حسین ہیں۔ ان کے ناولوں میں اترپردیش کے قصبوں اور شہروں کی ثقافتی فضا اور اس ماحول و فضا سے وابستہ ان کی

یادیں، ان کا کھویا ہوا ماضی جن پر جاگیر دارانہ تہذیب کی چھاپ تھی۔۔۔ان کے یہاں بہت سی علامتیں قدیم ہندوستان کی تہذیبی فضا اور روایتوں سے ماخوذ ہیں۔"(۶)

اسی فضا کے بارے میں شہاب ظفر اعظمی لکھتے ہیں:

"انتظار حسین نے ناول کے وسیع حجم سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بیک وقت جاتکوں، استعاروں، علامتوں، اشاروں، کنایوں، اسطوری واقعات، دیومالائی قصوں اور اسلامی تاریخ ایک لڑی میں شگفتہ زبان کے سہارے پرو کر ایک شگفتہ اور تہہ دار اسلوب پیش کیا ہے۔"(۷)

اب آپ اندازہ کریں کہ اس ناول میں کتنا کچھ ہے جو اسے دیگر ناولوں سے ممتاز بناتا ہے۔وجہ یہ ہے کہ انتظار حسین اس دیس کی کہانی سنا کر اپنے ماضی میں کھو جاتے ہیں اور ان پر ناسٹلجیائی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔یوں وہ اپنی کتھارسس بھی کر لیتے ہیں اور اس مختلف کرداروں کے ذریعے سے اس فضا کو معمور کر کے ایک جہاں معنی آباد کرتے چلے جاتے ہیں۔ناول کا قصہ قدیم علامتی پیکروں کے حساب سے تخلیق کیا گیا ہے جس میں قدیم اساطیر کے قصے شامل کر کے داستانی فضا کا ماحول پیدا کیا گیا ہے۔ماضی کی بازگشت کے قصے بیان کیے گئے ہیں۔ساتھ ساتھ انسانی زندگی کے اتار چڑھاؤ پر سیر حاصل تبصرہ کر کے اپنا مدعاو مقصد بیان کیا گیا ہے۔ناول کی مثال ایک خاندان کے طرز پر رکھی گئی ہے جس میں ہر طبقہ فکر کی نمائندگی کی گئی ہے۔اس طرح پاکستانی فضا کو بیان کیا گیا ہے اور یوں دیانت داری کے ساتھ اس ملک کے نشیب و فراز کو پورے شدومد کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔اس حوالے سے محمد عمر میمن لکھتے ہیں:

"بستی کا ماحول پاکستان یا لاہور کا ہے اور زمانہ سقوط ڈھاکہ سے کچھ ماہ قبل کا ہے۔۔۔اس ناول میں جنوبی ایشیا کی مسلم تاریخ کا کئی جگہ تذکرہ آیا ہے۔ان میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی ۱۹۴۷ء میں تخلیق پاکستان ۱۹۶۵ء اور بالآخر ۱۹۷۱ء کی ہند پاک کی جنگ جس کے نتیجے میں بنگلا دیش وجود میں آیا۔اس واقعہ پر ناول ختم ہو جاتا ہے۔"(۸)

اس طرح ناول میں پاکستانی معاشرہ کے اتار چڑھاؤ کا مکمل نقشہ سامنے رکھا گیا ہے۔

ناول میں قدیم قصوں سے چراغ روشن کیا گیا ہے۔قرآنی آیات کے ذکر سے قصے کی لیپائی کی گئی ہے۔رامائن کے قصے درمیان میں بیان کر کے مشترکہ ہندوستانی تہذیب کے شعور کو اجاگر کیا گیا ہے۔اس طرح مہابھارت کی جنگوں سے فضا کو مزین کر کے اس مشترکہ تہذیب کی خوبیاں دکھلائی گئی ہیں۔اس داستانی طرز سے انتظار حسین کے قدیم ماورائی نقطہ نظر کی بھی وضاحت ہو جاتی ہے۔کیوں کہ وہ اپنے تمام ناولوں میں داستانوں کی فضا کے حوالے سے خاص شہرت رکھتے ہیں۔ناول میں مسلم اور ہندو کرداروں کا گل دستہ بنا کر اس میں گنگا جمنی تہذیب کے اجزا کا ساسماں پیدا کیا گیا ہے۔مذہبی حکایتوں اور اساطیری عناصر کی ایک جھلک دیکھیے:

"جب دنیا ابھی نئی نئی تھی۔جب آسمان تازہ تھا اور زمین ابھی میلی نہیں ہوئی تھی، جب درخت صدیوں میں سانس لیتے تھے اور پرندوں کی آوازوں میں جگ بولتے تھے۔کتنا حیران ہوتا تھا وہ ارد گرد کو دیکھ کر کہ ہر چیز کتنی نئی تھی اور کتنی قدیم نظر آتی تھی۔نیل کنٹھ، کھٹ بڑھیا، مور، فاختہ، گلہری، طوطے جیسے سب اس کے سنگ پیدا ہوئے تھے۔۔۔مور کی جھنکار لگتا کہ روپ نگر کے جنگل سے نہیں برندابن سے آرہی ہے۔کھٹ بڑھیا اڑتے اڑتے اونچے نیم پر اترتی تو دکھائی دیتا کہ وہ ملکہ صبا کے محل میں خط چھوڑ کے آرہی ہے اور حضرت سلیمانؑ کے قلعے کی طرف جا رہی ہے اور جب گلہری منڈیر پر دوڑتے دوڑتے اچانک دُم پر کھڑی ہو کر چک چک کرتی تو وہ اسے تکنے لگتا اور حیرت سے سوچتا کہ اس کی پیٹھ پر یہ کالی دھاریاں رام چندجی کی انگلیوں کے نشان ہیں اور ہاتھی تو حیرت کا ایک جہاں تھا۔رہی بوڑھی میں کھڑے ہو کر جب وہ اسے دور

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL

Vol.8. No.3.2025

> سے آتا دیکھتا تو بالکل ایسا لگتا کہ پہاڑ چلا آرہا ہے۔ لمبی سونڈھ، بڑے بڑے کان پنکھوں کی طرح ہلتے ہوئے، تلوار کی طرح خم کھائے ہوئے، دو سفید سفید دانت دو طرف نکلے ہوئے اسے دیکھ کر کے وہ حیران نذر آتا اور سیدھا اماں کے پاس پہنچتا۔"(۹)

اوپر بیان کی گئی فضا سے اندازہ ہوتا ہے کہ انتظار حسین ہند اسلامی مشترکہ تہذٰب کے کس قدر حامی ہیں اور ان کی شدید ترین خواہش تھی ک ہندوستان تقسیم نہ ہو لیکن ہونی کو کون روک سکتا ہے۔ وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ اب پاکستان کی تصویر دیکھیں جہاں مہاجرین کت دردناک مسائل پوری دیانت داری کے ساتھ بیان کیا گیا ہے:

> " جب پاکستان ابھی نیا نیا تھا۔ جب پاکستان کا آسمان تازہ تھا۔روپ نگر کے آسمان کی طرح اور زمین ابھی میلی نہیں ہوئی تھی۔ کس طرح ان دنوں قافلے کالے کوسوں چل کر یہاں پہنچ رہے تھے۔روز کوئی قافلہ شہر میں داخل ہوتا اور گلیوں محلوں میں بکھر جاتا۔ جسے جہاں سر چھپانے کے لیے کونا مل گیا وہ بسر گیا۔ جسے کشادہ مکان میسر آجاتا وہ پہلے اپنی خوشی سے پھر مروت میں آنے والوں کو پناہ دیتے چلا جاتا۔ یہاں تک کہ وہ کشادہ مکان تنگ آنے لگتا"(۱۰)

الغرض یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ انتظار حسین بستی "میں ہندو مسلم مشترک گنگا جمنی تہذیب کا مکمل نقشہ پیش کر کے اپنے قارئین و ناظرین سے داد و تحسین کرنے میں کامیاب رہے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر صابرہ خاتون، انتظار حسین کی ناول نگاری، (غیر مطبوعہ مقالہ)، یونیورسٹی آف کلکتہ، ۱۹۹۷ء، ص ۳
۲۔ ڈاکٹر انور سدید، انتظار حسین کی ناول نگاری، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۸ء، ص ۴۶
۳۔ ڈاکٹر صابرہ خاتون، انتظار حسین کی ناول نگاری، (غیر مطبوعہ مقالہ)، ص ۱۸۹
۴۔ عطاء الحق قاسمی، انتظار حسین اور ان کی بستی، مشمولہ، انتظار حسین کی ناول نگاری، مرتبہ انور سدید، ص ۳۴۵۔۳۴۶
۵۔ مظفر علی سید، "بستی" ایک مطالعہ، مشمولہ، ایضاً، ص ۳۸۲
۶۔ انور پاشا، ہندو پاک میں اردو ناول، اتر پردیش اردو اکادمی، علی گڑھ، ص ۴۶
۷۔ ڈاکٹر شہاب ظفر اعظمی، اردو ناول کے اسالیب، ہندوستانی اکیڈمی، دہلی، ۱۹۸۹ء، ص ۲۶۳
۸۔ محمد عمر میمن، بستی میں شیعت کا تصور، مشمولہ، ایضاً، ص ۳۵۲
۹۔ انتظار حسین، بستی، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۶
۱۰۔ ایضاً، ص ۷۲